© rasailojaraid.com

نام کتاب : **اسلام اور جدید سائنس نئے تناظر میں**

مرتب : محمد ظفر اقبال

ناشر : ادارہ نوادرات (ساہیوال)

صفحات : ۴۶۴

قیمت : ۱۶۰ روپے

تبصرہ نگار : محمد زاہد صدیق مغل ۞

زیر مطالعہ کتاب کے مصنف جناب محمد ظفر اقبال ہیں جو جناب سید خالد جامعی کے شاگرد خاص ہیں۔ کتاب کے دو بنیادی مقاصد ہیں: (۱) مسلم دنیا میں "اسلام اور سائنس" کے عنوان سے جاری مباحث کو ایک نئے زاویۂ نگاہ سے پیش کرنا، (۲) ڈاکٹر ذاکر نائک کے بعض نظریات کا تنقیدی جائزہ پیش کرنا۔ ۴۶۴ر صفحات کی یہ کتاب ادارہ نوادرات (ساہیوال) نے شائع کیا ہے۔ کتاب ایک مقدمے، گیارہ ابواب اور تین ضمیمہ جات پر مشتمل ہے۔

مسلم دنیا پر مغربی استعمار کے فکری و عملی غلبے کے جواب میں مسلم مفکرین نے جن اجتماعی دائروں میں فکری و علمی جدوجہد کو مرتب کیا، انھیں تین عنوانات کے تحت تقسیم کرنا ممکن ہے: (۱) اسلامی سائنس (۲) اسلامی معاشیات (۳) اسلامی جمہوریت۔ زیر تبصرہ کتاب کا تعلق پہلے دائرۂ فکر سے ہے۔ یہ بات بلامبالغہ کہی جاسکتی ہے کہ بیسویں صدی میں "اسلام اور سائنس" کے عنوان پر اہل علم کی طرف سے ہزاروں کتب، مقالہ جات و مضامین منظر عام پر آئے۔ ان تمام علمی تحریروں کا بنیادی مقصد اس سوال کا جواب تلاش کرنا رہا ہے کہ "مسلمانوں کو سائنس کے ساتھ کس نوعیت کا تعامل اختیار کرنا چاہیے؟" برصغیر میں اس سلسلے کی ابتدا سرسید احمد خاں سے ہوتی ہے جن کی تحقیق کا خلاصہ یہ ہے کہ مسلمانوں کو نہ صرف یہ کہ سائنسی علمیت کو قبول کرلینا چاہیے، بلکہ اپنے عقائد کے نظام و ماخذات شرع کی تشریح کے لیے بھی سائنسی تحقیقات کو غیر مشروط پر معیار بنانا چاہیے۔ اس حوالے سے دوسرے عمومی رویے کے بانی علامہ اقبال تھے، جنھوں نے اپنے خطبات میں سائنس، یعنی تجربیت، کی اساس قرآن کو قرار دیا۔ ان کے خیال میں قرآن اپنے قاری کو مظاہر قدرت میں غور و فکر کرنے کی جو دعوت دیتا ہے اسی دعوت نے ابتداءً مسلم دنیا اور پھر یورپ میں تجربیت کی راہ ہموار کی۔ چناں چہ علامہ اقبال کے نظریے

۞ اسسٹنٹ پروفیسر، نیشنل یونی ورسٹی آف سائنس اینڈ ٹیکنالوجی، اسلام آباد

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کی رو سے سائنس اپنی روح کے اعتبار سے عین قرآنی اصل پر مبنی ہے، لہٰذا مسلمانوں کو اسے اختیار کرنے میں ہچکچاہٹ سے کام نہیں لینا چاہیے؛ البتہ علامہ اقبال چوں کہ کانٹ کے فلسفے سے آشنا تھے، لہٰذا وہ مابعد الطبیعیاتی (عقائد کے) معاملات میں سائنس کی اس قدر مداخلت کے قائل نہ تھے جس کا جواز سرسید کے یہاں ملتا ہے۔ علامہ اقبال کے شاگرد جناب ڈاکٹر رفیع الدین نے اسلام اور سائنس کے حوالے سے انھی نظریات کو شرح و بسط کے ساتھ پیش کیا۔ یہ طرز فکر مختلف رجحانات کے ساتھ جناب حسین نصر کے افکار تک پھیلا ہوا ہے، جن کے خیال میں جدید سائنس کی مابعد الطبیعیاتی ایمانیات اسلام کے ساتھ ہم آہنگ نہیں، البتہ وہ ''اسلامی سائنس'' کے قائل ہیں جو ان کے خیال میں اسلامی طرز زندگی سے وقوع پذیر ہوتی ہے۔ زیر تبصرہ کتاب **اسلام اور سائنس** کے مابین مطابقت بیان کرنے والے چند ایسے ہی رجحانات کی ایک معاصرانہ تنقید ہے جسے مصنف ''نئے تناظر'' کا عنوان دیتے ہیں۔

اسلام اور سائنس میں مطابقت کے رجحان سے ایک مخصوص قسم کا طرز استدلال اور کلامی منہاج یہ وجود میں آیا کہ جدید ذہن کو اسلام کی طرف متوجہ کرنے کی خاطر قرآن و سنت کی حقانیت ثابت کرنے اور اسلام کی تبلیغ کے لیے سائنسی استشہاد کو بنیاد بنالیا جائے۔ اس طرز استدلال کی رو سے ہر وہ بات جو سائنسی نظریات کے خلاف ہو وہ لائق اعتبار نہیں رہتی۔ ڈاکٹر ذاکر نائیک غیر مسلمین کے ساتھ مکالموں میں اس قسم کے سائنسی طرز استدلال کو عام استعمال کرتے ہیں۔ زیر تبصرہ کتاب کے ابتدائی دو ابواب نیز باب نمبر بارہ ڈاکٹر ذاکر نائیک کے اسی طرز استدلال کا ایک ناقدانہ جائزہ پیش کرتے ہیں۔ ان ابواب میں جن مباحث کو خصوصیت کے ساتھ زیر بحث لایا گیا ہے وہ فلسفۂ سائنس سے تعلق رکھتے ہیں جہاں اس امر سے بحث کی جاتی ہے کہ ''سائنسی علمیت کی نوعیت کیا ہے''، یعنی کیا سائنسی طریقہ علم قطعی، معروضی و آفاقی قضایا کو جنم دے سکتا ہے؟

جدید سائنس کے ابتدائی دور میں یہ تصور پایا جاتا تھا کہ سائنسی طریقۂ علم سے تعمیر ہونے والا علم قطعیت، معروضیت و آفاقیت سے متصف ہوتا ہے۔ انھی تصورات سے مرعوب ہو کر سرسید احمد خاں کے یہاں معجزات کی ایسی سائنسی تعبیرات کا رجحان ملتا ہے جن کے بعد وہ امور معجزات نہیں رہتے، چناں چہ کتاب کے ان دو ابواب میں فلسفۂ سائنس کے مغربی مفکرین کی آرا کی روشنی میں یہ بات تفصیلاً واضح کرنے کی کوشش کی گئی ہے کہ سائنسی علمیت کے بارے میں قطعیت، معروضیت و آفاقیت جیسی صفات کے دعوے بیسویں صدی کی ابتدا کے دور کی بات ہے۔ پاپر کے نظریہ تردیدیت (falsificationism) کے بعد یہ بات واضح ہو گئی کہ سائنسی علم قطعی و معروضی نہیں ہو سکتا اور نہ ہی سائنس کسی قضیے کو حتمی طور پر ثابت کر سکتا ہے، البتہ پاپر کے خیال میں سائنس ان معنی میں غیر

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سائنسی علوم سے مختلف و معتبر ہوتی ہے کہ سائنس دان تجربات کی روشنی میں اپنے نظریات کو رد کرنے کی کوشش کرتے ہیں اور بالاخر وہی نظریات باقی بچ رہتے ہیں جو تجربات کی کسوٹی پر پورا اترتے ہیں۔

پاپر کے بعد لیکاٹوش اور کوہن (Kuhn) نے یہ واضح کرنے کی کوشش کی جس طرح کسی بھی مذہب کی کچھ ناقابل تردید ایمانیات ہوتی ہیں اسی طرح ہر سائنسی علم میں مختلف مکاتبِ فکر کی اپنی اپنی ایمانیات ہوتی ہیں جنھیں بنیاد بنا کر ہی اس مخصوص مکتب فکر کے سائنس دان تحقیق کے عمل کو آگے بڑھاتے ہیں۔ ان حضرات کے خیال میں سائنسی نظریات لیبارٹری تجربات سے ارتقا پذیر نہیں ہوتے، بلکہ کسی ہیجانی نوعیت کے معاشرتی و سیاسی مسائل، رجحانات و حالات کی روشنی میں یک دم تبدیل ہوتے ہیں، یوں قدیم مکتبِ فکر کی جگہ کوئی دوسرا مکتبِ فکر غالب آجاتا ہے اور قدیم و جدید کے مابین قوت و غلبے کی رسہ کشی جاری رہتی ہے۔ آخر کار فیئر بینڈ نے انارکسٹ نظریۂ سائنس کی بنیاد رکھتے ہوئے کہا کہ سائنسی علمیت کی فوقیت اس کے طریقۂ کار میں نہیں، بلکہ مغربی معاشروں کے مخصوص مقاصد میں پنہاں ہے، یعنی چوں کہ جدید سائنس جدید انسان کے مقاصد کی تکمیل کا فی الوقت بہترین آلۂ کار ہے، لہٰذا وہ اس پر فدا ہے۔ فیئر بینڈ کے خیال میں سائنس کسی مخصوص طریقۂ علم کا نام نہیں نیز اس کے خیال میں سائنس کو دی جانے والی ریاستی سرپرستی کے نتیجے میں دیگر علوم کے فروغ پر قدغنیں کھڑی ہوگئی ہیں جو آزادی کی راہوں کو مسدود کرنے کا باعث ہیں۔ چوں کہ سائنس کائنات میں جاری عِلل و معلول کے لاتعداد سلسلوں میں سے صرف ایک مخصوص سلسلے کو جاننے کا نام ہے، اس لیے اسے واحد حق سمجھ کر اختیار کر لینا نہ صرف غیر عقلی ہے بلکہ آزاد معاشروں کے لیے بھی خطرناک ہے۔

سائنسی علمیت کی پروسیجرل نوعیت کو واضح کرنے کے علاوہ ان ابواب میں کسی قدر اس بات کی وضاحت کرنے کی کوشش بھی کی گئی ہے کہ جدید سائنس محض کسی غیر اقداری طریقۂ علم کا نام نہیں کہ جس سے ”کسی بھی مقصد“ کو حاصل کرنا ممکن ہو، بلکہ جدید سائنس کا مارکیٹ سرمایہ داری کے ساتھ گہرا ربط ہے۔ چناں چہ جدید سائنس کی چکاچوند ترقی کے پیچھے اگر سرمائے کی گردش کو تیز تر رکھنے والی مارکیٹ اکانومی اور فنڈنگ ادارے موجود نہ ہوں تو یہ ترقی ممکن نہیں، پس جدید سائنس انھی مقاصد کو ممکن بناتی ہے جن کے لیے اس تحقیق کو معرض وجود میں لایا جاتا ہے؛ البتہ کتاب میں اس موضوع کو جابجا مختلف مقامات پر کسی دوسرے موضوع کے ضمن میں، جملۂ معترضہ کے طور پر پیش کیا گیا ہے، نہ کہ کتاب کے منہاج کے طور پر۔ کتاب کے ابتدائی دو ابواب کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ مصنف نے سائنس کے حوالے سے اپنے مؤقف کی وضاحت کے لیے اصل مراجع سے تفصیلی حوالے درج کیے ہیں جو اردو زبان میں سائنس پر لکھی جانے والی کتب میں شاذ و نادر دیکھنے کو ملتے ہیں، مگر بعض

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مقامات پر یہ حوالے بہت طویل ہیں جو کم از کم اردو دان طبقے کے لیے بالکل مفید نہیں۔ بہتر ہوتا اگر ان طویل حوالوں کو بھی اختتامی نوٹس کی صورت میں کتاب کے آخر میں جمع کر دیا جاتا۔

باب نمبر تین تا پانچ میں ڈاکٹر ذاکر نائیک کی طرف سے بعض سائنسی نظریات کی قرآن کے ساتھ مطابقت ثابت کرنے کے دلائل کا تجزیہ کیا گیا ہے۔ ان ابواب میں کی جانے والی تنقیدات کا حاصل یہ ہے کہ سائنسی نظریات کو بنیاد بنا کر نصوص کو جانچنے کا جو طرز استدلال ڈاکٹر ذاکر نائیک اختیار کرتے ہیں وہ خطرات سے پُر ہے کہ اس کے نتیجے میں نصوص کی نہیں بلکہ سائنسی علمیت کی برتری ثابت ہوتی ہے، نیز سائنسی نظریات کے تبدیل ہونے سے عقائد کی تعبیرات تک تبدیل کرتے رہنے کی ضرورت پیش آتی رہے گی۔ اس حوالے سے فاضل مصنف نے ڈاکٹر ذاکر نائیک کے بعض تضادات کو نمایاں کرنے کی کوشش بھی کی ہے کہ ایک طرف وہ یہ دعوی کرتے ہیں کہ قرآن کی کوئی بات سائنسی حقیقت کے خلاف نہیں ہو سکتی، لیکن جب نصوص میں کسی ایسی بات کی نشان دہی کی جائے (مثلاً حضرت سلیمان علیہ السلام کا وصال کے بعد چھڑی کے سہارے کھڑے رہنا) جس کی سائنسی توجیہہ ممکن نہ ہو تو ذاکر صاحب نص کے حصار میں پناہ لے کر اسے معجزہ کہہ دیتے ہیں۔ کتاب میں اس امر پر شد و مد سے زور دینے کی کوشش کی گئی ہے کہ قرآن مجید میں انفس و آفاق کی نشانیوں پر غور و فکر کرنے کی جو دعوت دی گئی ہے اس کا مقصد وہ نہیں جو جدید سائنس میں سمجھا گیا ہے (یعنی خواہشات کی تکمیل کے لیے ان کی تسخیر) بلکہ اللہ کو پہچان کر اسکی عبادت کی طرف مائل ہونا ہے۔ اس ضمن میں اس دل چسپ امر کی وضاحت بھی کی گئی ہے کہ جدید طرز زندگی جس قسم کی شہری زندگی کو فروغ دیتا ہے، وہاں آثار کائنات کے ویسے مشاہدے کے امکانات ہی معدوم ہو جاتے ہیں جو قرآن کو مطلوب ہیں۔

سائنسی نظریات کے حوالے سے ڈاکٹر ذاکر نائیک پر تنقید کرتے وقت اس امر کا لحاظ رکھنا لازم ہے کہ ڈاکٹر صاحب سائنس کے حوالے سے یہ پوزیشن ایک مباحثی و مکالماتی (dialogue) ماحول میں اختیار کرتے ہیں اور وہ بھی ایسے سامعین کے سامنے جو نہ صرف یہ کہ قرآن کی بالادستی کے قائل نہیں ہوتے، بلکہ جدید دور میں مسلمانوں کے حوالے سے پائی جانے والی مخصوص فضا کی وجہ سے اسے مشکوک نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ ظاہر ہے ایسے ماحول میں ایک مبلغ و مناظر کے نقطۂ نگاہ سے کسی ایسی علمیت (یعنی سائنس) کو سرے سے لغو و بے اعتبار قرار دینا حکمت کے خلاف ہوتا ہے جو مخالف کے نزدیک قابل اعتبار بھی ہے اور مخاطب کی خاطر خواہ تسلی کے لیے قضایا کے اثبات میں مددگار بھی۔ چناں چہ مبصر کی رائے میں اگرچہ ڈاکٹر ذاکر نائیک اپنے مناظروں میں استشہاد کے لیے سائنسی نظریات سے مدد لیتے ہیں مگر وہ سر سید احمد خاں کی طرح سائنس کو غیر مشروط طور پر قبول کرنے کے قائل

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ جب کوئی سائنسی نظریہ کسی واضح نص کے سامنے آکھڑا ہو تو ڈاکٹر صاحب اس نظریے کو قبول کرنے سے گریز کرتے ہوئے نص کی آغوش میں آکھڑے ہوتے ہیں۔ الغرض ڈاکٹر ذاکر نائیک کی پوزیشن ایک ایسے مصلح و متکلم کے مقام سے اگرچہ قابل نقد ہی ہو جو اسلامی علم الکلام کی حفاظت کو اپنا اولین اور واحد مقصد سمجھ کر تحقیق کے فرائض سرانجام دے رہا ہے، مگر ایک مناظر و مبلغ کے مقام سے کھڑے ہو کر گفت گو کرنے والے شخص کے لیے بہ ہر حال اس قدر گنجائش شاید نکالنا ہی پڑے کہ وہ ایک غالب علمیت کو اپنے استدلال کے لیے بہ طور استشہاد پیش کر سکے۔ یہ گنجائش نہ نکالنا تبلیغ و مناظرے کے ایک قابل استعمال و مؤثر طریقے پر شاید پابندی لگا دینے کے مترادف ہو گا۔

کتاب کے باب نمبر چھے تا گیارہ میں ڈاکٹر ذاکر نائیک کے چند دیگر نظریات پر نقد پیش کیا گیا ہے، مثلاً اسلام اور دہشت گردی، اسلام میں خواتین کے حقوق، اسلام و جمہوریت وغیرہ جیسے موضوعات پر ذاکر صاحب کی آراء پچاسی صفحات پر پھیلے ہوئے ان مباحث کا کتاب کے عنوان اور اسکے مقصد سے بالواسطہ یا بلاواسطہ ربط نہیں؛ زیر مطالعہ کتاب ان مباحث کے بغیر بھی نفس موضوع (اسلام اور جدید سائنس نئے تناظر میں) پر ایک مکمل کتاب کی حیثیت رکھتی تھی۔ ہماری رائے میں کتاب کے اس حصے میں کی جانے والی تنقیدات اول الذکر پانچ ابواب کی تنقید کے مقابلے میں نسبتاً کم زور، بلکہ بعض مقامات پر تنقید کے معیار سے کم تر معلوم ہوتی ہیں۔ مثال کے طور پر عورت کے سربراہ مملکت نہ بننے پر ڈاکٹر ذاکر نائیک نے ایک عقلی استدلال یہ قائم کیا ہے کہ ایام حیض میں خواتین کو متعدد نفسیاتی عوارض لاحق ہوتے ہیں جو اس کی قوت فیصلہ پر اثر انداز ہو سکتے ہیں۔ اس دلیل پر نقد کرتے ہوئے فاضل مصنف لکھتے ہیں کہ اگر کوئی عورت ادویات کے ذریعے اپنا حیض بند کروالے تو کیا اس کا سربراہ بننا جائز ہو گا؟ اسی طرح ڈاکٹر ذاکر ایک دلیل یہ لاتے ہیں کہ ماں اور گھرداری کی ذمے داریاں بالعموم خواتین کے سربراہ مملکت بننے کی راہ میں حائل ہوتی ہیں۔ اس کے جواب میں کہا جاتا ہے کہ اگر کوئی عورت کسی اندھے بہرے اور گونگے سے شادی کرلے تو کیا اس کا سربراہ بننا جائز ہو گا؟ اسی طرح مخلوط تعلیمی درس گاہوں کی اخلاقی قباحتوں کو اس کی ممانعت کی دلیل بناتے ہوئے ڈاکٹر ذاکر نائیک کہتے ہیں کہ ایسے اداروں میں جنسی معاملات میں دل چسپی کا رجحان اور جنسی استحصال ہونے کا امکان بہت زیادہ ہوتا ہے۔ اس پر نقد کرتے ہوئے صاحب کتاب کہتے ہیں کہ اگر ایسے اداروں میں طلبہ، طالبات و اساتذہ کو جنسی جذبات ختم کر دینے والی ادویات کھلا دی جائیں تو کیا مخلوط تعلیمی ادارے بنانا جائز ہو جائے گا؟ ہماری رائے میں اس قسم کے تنقیدی نکات کتاب کی علمی حیثیت کم کرنے کا باعث ہیں۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

شرع نے جو بھی احکامات دیے ہیں وہ مقاصد اور حکمتوں کے تحت دیے ہیں، اسی بنا پر علماے اصول نے مقاصد شریعت کی کھوج لگانے اور ان کی بنا پر احکامات اخذ کرنے کے طریقے کار واضح کرنے کے لیے کتب تحریر فرمائیں۔ چناں چہ شرعی احکامات کو قابل فہم و قبول بنانے کے لیے ان کے مقاصد، حکمتوں و علتوں کو بیان کرنا کوئی خلاف شرع اور مذموم امر نہیں؛ علماے کرام ہر دور میں اپنے اپنے انداز میں ان احکامات کی حکمتوں کو بیان کرتے چلے آئے ہیں۔ ظاہر ہے، ہر دور کا عالم احکامات کی حکمتوں کو اپنے ارد گرد کی معاشرت کے تناظر و مظاہر ہی میں تھیورائز کیا کرتا ہے۔ اگر فاضل مصنف مناسب سمجھیں تو اگلے ایڈیشن میں ان ابحاث کو اس کتاب سے محو کر کے ایک الگ کتاب کی صورت میں شائع کریں۔

کتاب کی مذکورہ بالا خامیوں کے باوجود یہ کہنا پڑے گا کہ اردو زبان میں سائنسی علمیت کی ماہیت و مقصدیت پر اس قدر شرح بسط کے ساتھ کوئی دوسری کتاب مبصر کی نظر سے نہیں گزری۔ کتاب قدرے پیچیدہ فلسفیانہ مباحث کو آسان زبان میں بیان کرنے کی ایک کامیاب کوشش ہے جس کے لیے فاضل مصنف تعریف و ستائش کے مستحق ہیں۔ فاضل مصنف نے اسلام اور سائنس کے مابین مطابقت بیان کرنے والے دلائل کا بہ خوبی جائزہ لیا ہے مگر اس حوالے سے یہ کتاب قاری کو تشنہ چھوڑ دیتی ہے کہ آیا اہل اسلام کو سائنس کے ساتھ کیا رویہ اختیار کرنا چاہیے؟ ظاہر ہے سائنس ایک جیتی جاگتی حقیقت اور اس کے مظاہر ہماری روز مرہ زندگی کے جزو لاینفک ہیں۔ امید ہے مستقبل میں فاضل مصنف اس مضمون پر بھی اپنے خیالات کو کتاب کا حصہ بنائیں گے۔ کتاب کے انداز بیان کی ایک کم زوری جابجا موضوع کے ربط کو کم کر دینے والے مباحث کو بھی شامل گفتگو کر لینا ہے جس سے قاری کے لیے مرکزی خیال پر توجہ مرکوز رکھنا مشکل رہتا ہے۔ فلسفۂ سائنس کے مباحث کو اگر ان کے تاریخی ادوار کے لحاظ سے زیر بحث لایا جاتا تو شاید ابلاغ کی اثر پذیری میں مزید اضافہ ہوتا۔ امید ہے اگلے ایڈیشن میں اس امر کی تلافی کر کے سائنس کے مابعد الطبیعیاتی تناظر اور سرمایہ داری سے اس کے تعلق کے مباحث کو سائنس کے پروسیجرل مباحث سے الگ باب میں زیر بحث لایا جائے گا۔ کتاب میں جابجا انگریزی اقتباسات بغیر ترجمے کے درج ہیں اور بعض مقامات (مثلاً ص ۱۲۹ تا ۱۵۳، ۱۵۷ تا ۱۶۶، ۳۹۷ تا ۴۴۸، ۴۴۹ تا ۴۶۴ وغیرہ) کے اقتباسات ایک پورے مقالے کی وسعت رکھتے ہیں اور بلا ترجمہ درج ہیں۔ ایک اردو دان کے لیے اگر اتنے طویل اقتباسات کا ترجمہ ممکن نہ ہو تو ان کے مفہوم کی تلخیص ہی کا دیا جانا ضروری تھا۔ بعض مقامات (مثلاً ص ۲۳۰) پر اردو عبارت کے لیے نستعلیق کے بجائے خط نسخ ذوق پر گراں گزرتا ہے۔ علمی کتابوں کے لیے جدید دور میں اشاریہ ایک محقق اور طالب علم کے لیے کتاب سے استفادہ، آسان سے آسان تر بنا دیتا ہے۔ اس طرح کی کتابوں کے ساتھ اشاریہ کی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

شمولیت مناسب معلوم ہوتی ہے۔ اسی طرح کتاب کے آخر میں اگر مراجع کتابیات کی فہرست بھی دے دی جاتی تو قاری کے لیے انھیں تلاش کرنا آسان ہو جاتا۔ بہرکیف، تمام اہل علم کے لیے بالعموم اور تحریکات اسلامی کے کارکنان کے لیے بالخصوص یہ ایک نادر کتاب ہے، جس کے مباحث کو سمجھے بنا اسلام اور سائنس کے درمیان کلی یا جزوی مطابقت تلاش کرنا جلد بازی کے مترادف ہو گا۔

© rasailojaraid.com